تھیں۔ ایک طرف چولہا تھا جس کے گرد کھانے پینے کے چند برتن دھرے تھے۔ لمبی چوڑی کھاٹ پر سفید بستر بچھا تھا جس پہ کچھ کتابیں رکھی تھیں۔ میز پر پنسلیں اور بہت سے سفید کاغذ پڑے تھے۔ ایک کرسی تھی جس پر کتابیں تھیں۔ ایک ٹرنک تھا' اس پر بھی کتابیں تھیں۔

''بیٹھ جاؤ۔'' کرسی پر سے کتابیں اٹھاتے ہوئے ماسٹر نے کہا۔

پھر وہ کیکر کی لکڑیاں توڑ توڑ کر ترتیب کے ساتھ چولہے میں رکھنے لگا۔ خاموش' نیم روشن کمرے میں لکڑیوں کے چٹخ کر جلنے کی آواز پیدا ہوئی۔

''نعیم' تمہیں افسوس ہے؟'' وہ آگ پر لکڑیاں پھینکتے ہوئے بولا۔

''کس کا؟''

''جو ابھی ہوا۔ تم نے دیکھا نہیں؟''

کافی دیر بعد نعیم نے بھاری آواز میں کہا' ''ہاں۔''

''روشن آغا برا آدمی نہیں۔ میں نے دیکھا کہ جب احمد دین بیل کی طرح چلتا ہوا اندر پہنچا تو اس کا رنگ زرد پڑ گیا اور اس نے سب کو باہر نکل جانے کا حکم دیا۔'' وہ پانی کی کیتلی آگ پر رکھ کر اٹھ کھڑا ہوا۔ ''لیکن یہ بکواس ہے۔ ہمیں اس سارے چکر کو ختم کرنا ہے۔''

نعیم [illegible] اور نعیم کے سامنے آ کھڑا ہوا۔ ''تم نے اپنے باپ کی حالت دیکھی ہے؟'' اس نے گہری' صاف آواز میں پوچھا۔

نعیم کی آنکھوں میں وحشت کی ہلکی سی جھلک ظاہر ہوئی۔

''یہ سارا نظام روگی ہے۔ بتاؤ؟''

''پھر؟''

''مجھے بتاؤ۔'' ماسٹر نے ہاتھ اس کے سامنے پھیلایا۔ ''اگر تمہیں بتایا جائے کہ تم اس سارے نظام کو بدل سکتے ہو تو؟''

نعیم نے ماتھے پر ہاتھ پھیرا۔ ''تم جانتے ہو ماسٹر میں ہر چیز کے لئے تیار ہوں۔ مگر کیسے؟''

ماسٹر جواب دینے کی بجائے جا کر چائے بنانے لگا۔

وہ پچیس تیس کے لگ بھگ جوان آدمی تھا لیکن اس کے بڑے سے بھورے چہرے پر داڑھی بہت گھنی اور کھردری تھی اور جلد موٹی اور شکن آلود تھی۔ وہ ایک غریب کسان تھا۔

چائے کے دو پیالے میز پر رکھ کر وہ کھاٹ پر بیٹھ گیا اور کہنیاں میز پر رکھ کر آگے کو جھکا۔ ''مجھے اپنا کام کرنا ہے۔ تمہارا کام تمہیں ضلع کا سیکرٹری بتائے گا۔ وہ تمہیں جانتا ہے۔ اس نے مجھ سے تمہارے بارے میں پوچھا تھا۔''

''میں اسے نہیں جانتا۔ اس کا کیا نام ہے؟''

"وہ تمہیں جانتا ہے۔ ہمارے اور بھی کئی آدمی تمہیں جانتے ہیں۔"

"کانگرس؟"

"ہاں۔"

وہ خاموش بیٹھے خوشبودار، سبز چائے کا پھیکا عرق پیتے رہے۔ مٹی کے پیالوں میں سے دودھیا نیم گرم بھاپ اٹھ اٹھ کر فضا میں تحلیل ہو رہی تھی۔

"تمہارا یہاں کیا کام ہے؟" نعیم نے پوچھا۔

"پڑھاتا ہوں۔ اس کے علاوہ کئی کام ہیں جن کا تم سے مطلب نہیں۔ ہمارے آدمی آس پاس کے گاؤں میں ہیں۔" چائے ختم کر کے نعیم اٹھ کھڑا ہوا۔

"پھر؟" ماسٹر نے پوچھا۔

"میں تیار ہوں۔ تم سے مل کر جاؤں گا۔ شاید پرسوں۔"

"اللہ کرم کرے۔" ماسٹر بے تکلفی سے بڑا سا کھردرا ہاتھ بڑھا کر سادگی سے مسکرایا۔ اس کی سادہ، بے فن آنکھیں دیکھ کر نعیم کا جی چاہا کہ گرمجوشی سے اس کے ساتھ مصافحہ کرے۔ اس نے مضبوطی سے اس کا ہاتھ پکڑ کر ہلایا اور ہنسا۔ اپنے اپنے راستے پر جانے سے پہلے رفاقت کے اس ایک لمحے میں اس نے اس اجنبی کے لئے بے پناہ دوستی کا جذبہ محسوس کیا۔

سر جھکائے بیٹھا گھوڑے کو قدم بہ قدم چلاتا ہوا وہ سنسان گلیوں میں داخل ہوا۔ گھوڑا اپنی مرضی سے، اونچے نیچے مانوس پتھریلے راستوں پر چلتا گھر کی جانب جا رہا تھا۔ پتھروں پر اس کے قدموں کی آواز اندھیرے میں دور تک سنی جا سکتی تھی۔

نہر کے پل سے اترتے ہوئے اس نے سامنے کی طرف دیکھا اور اس کا دل یکبارگی ٹھہر گیا۔ اتر کر اس نے نہر سے پانی پیا، گھوڑی کو پلایا، اور اسی سمت میں دوبارہ دیکھا۔

روشن آغا کی بگھی ایک گڑھے میں پھنسی ہوئی تھی اور تین کسان اس کے پہیے سے چمٹے زور لگا رہے تھے۔ دور سے اس نے ادھیڑ عمر، خوبصورت خالہ کو دیکھا جو اگلا پردہ اٹھائے بیٹھی تھی۔ بگھی کے برابر پہنچ کر بالکل غیر محسوس طور پر نعیم کی گھوڑی رک گئی۔ وہ منہ موڑ کر پہیے کو دیکھنے لگا۔ اجنبی گھوڑے ہنہنائے۔ خالہ تعجب اور اپنائیت سے مسکرائی۔

"نعیم، کہاں جا رہے ہو؟" اس نے کہا۔

جواب دیئے بغیر وہ ڈھٹائی سے کھڑا پہیے کو دیکھتا رہا۔

"نعیم، تم نے کراس جیتا تھا؟"

''ہاں۔'' وہ نیچے دیکھتے ہوئے بڑبڑایا۔

''کیسے؟''

اس نے سامنے دیکھا اور گھوڑی کو ایڑ لگا دی۔ دائیں طرف اٹھے ہوئے پردے میں اسے ایک چہرہ نظر آیا۔ بہت پرانا' بہت مانوس چہرہ۔ اسے خیال آیا کہ اس نے ابھی ابھی گاؤں میں یا راستے کے جنگل میں یا خواب میں یہ چہرہ دیکھا ہے اور اسے اچھی طرح سے جانتا ہے۔ یہاں پہنچ کر اس کی سوچ ختم ہوگئی اور احساس اوپر آ گیا۔ اس کی ایڑیاں زیادہ تیزی سے گھوڑی کی پسلیوں پر پڑنے لگیں۔

وہ پکی سڑک پر چڑھا ہی تھا کہ دفعتاً اس نے محسوس کیا کہ وہ بہت زیادہ تھک چکا ہے اور اب ایک پل بھی سواری نہیں کر سکتا۔ پلیا کے پاس اس نے گھوڑی روکی اور بھاری جسم کے ساتھ اتر کر دیوار پر بیٹھ گیا۔ نیچے برساتی نالہ خشک پڑا تھا اور جگہ جگہ مویشیوں کے گوبر کے ڈھیر لگے تھے۔ اس کا دایاں ہاتھ مضبوطی سے لکڑی کی کلائی پکڑے تھا اور وہ نیچے نالے میں چلتے ہوئے ایک مینڈک کو دیکھ رہا تھا۔ پھر عجیب مجہول طریقے پر اس نے لکڑی کو بازو سے علیحدہ کیا۔ وہ پہلی بار اسے غور سے دیکھ رہا تھا۔ انگلیوں کے جوڑوں پر نہایت کاریگری سے انسانی جلد کی جھریاں بنائی گئی تھیں' ناخن گول اور خوب صورت تھے' کلائی پر ابھرتا ہوا' کسا ہوا صحت مند گوشت تھا اور ہتھیلی میں لکیریں تھیں۔ یہ سب اس نے اس وقت بھی نہیں دیکھا تھا جب وہ بمبئی کے ہسپتال میں اسے فٹ کروا رہا تھا۔ لکڑی کے کھلے ہوئے [illegible] کے اس کے ہاتھ کی گرفت مضبوط ہوگئی اور اس نے لکڑی چھاتی میں دبا لی۔ سفید ہوتے ہوئے ناخنوں کو دیکھ کر اس نے سوچا کہ وہ چہرہ' وہ عورت' وہ واحد عورت تھی جو دنیا میں اسے بے پناہ رنج دے سکتی تھی۔ عمر بھر تکلیف کی شدت سے اس کا چہرہ زرد ہو گیا اور تیز' کانپتے ہوئے سانس ہونٹوں میں گھسنے لگے۔

''تمہارا محبوب نام' بہت پرانے خواب کی طرح محبوب اور خوب صورت' ہوا پر بہتا ہوا آیا اور میں نے چونک کر دیکھا۔ تم سامنے کھڑے تھے۔ ہمیشہ کی طرح دلکش' اداس۔ لیکن اس سے پہلے بھی میں نے تمہیں دیکھا ہے۔ کہاں؟ کہاں کہاں؟ سبز سے پہاڑوں پر' برف میں چلتے ہوئے' نینی تال میں' جب لکڑی کے برآمدے میں' مونڈھے پر بیٹھ کر ٹین کی چھت پر برستی ہوئی بارش کی آواز میں نے سنی تھی تو تم گزرے تھے اور نیچے مکئی کے کھیت میں باگھ بول رہا تھا اور جب تم گزر گئے تھے تو رات چاروں طرف پھیل گئی تھی اور ہم نے شکار کئے ہوئے پہاڑی بکرے کا شوربا پیا تھا...... اور بازاروں میں اور گلیوں میں اور ریل گاڑی میں' مجھے یاد نہیں کتنی بار اور کہاں کہاں تمہیں دیکھا ہے' لیکن میں تمہیں جانتی ہوں۔ ہم سب تمہیں جانتے ہیں۔ تم روشن پور کے رہنے والے ہو اور بہت زود رنج ہو۔ تم نے ایک بازو گنوا کر ایک کراس حاصل کیا ہے۔ تم روشن پور سے چلے گئے تھے۔ تم سے کس نے کہا تھا؟ تمہیں محبت کرنے کا ڈھنگ آتا ہے؟ یہ کیسا ڈھنگ تھا؟ تم سیدھے چلے گئے' لیکن راستے میں جو جنگل آئے گا

اس میں میں تمہیں پھر دیکھوں گی۔ میں جانتی ہوں' اس لیے کہ تم بھگت رہے ہو۔ میں نے کچھ نہیں کیا تھا۔ بات صرف یہ ہے کہ تم بے حد بنیادی' بے حد قدیم اور بے حد خالص مرد ہو۔ میں نے کچھ نہیں کیا تھا۔ غلطی تمہاری تھی۔ تمہارا یہ کمبخت مغرور مردود ہر...... خدایا!''

عذرا نے پردہ گرا کر ہچکولے کھاتی ہوئی بگھی کی دیوار پر سر ٹیک دیا اور خشک' جلتی ہوئی آنکھوں سے اندر بیٹھی ہوئی عورتوں کو دیکھنے لگی۔

سورج ڈھل رہا تھا جب وہ نقشے کے مطابق شہر کے اس چوراہے پر پہنچا۔ کچھ دیر کے بعد وہ اپنی منزل مقصود پر کھڑا تھا۔

یہ ایک پرانی طرز کا' دو منزلہ پرانی اینٹوں کا بنا ہوا مکان تھا جس کی مرمت کی طرف توجہ نہیں کی گئی تھی۔ گھوڑے پر بیٹھے بیٹھے اس نے بند دروازہ کھٹکھٹایا۔ دروازے پر کوئی گھنٹی نہیں تھی۔ دو بار کھٹکھٹانے پر بھی کوئی جواب نہ ملا تو اس نے رکاب میں سے پاؤں نکالا اور اس کے لوہے کو چند بار پرانی لکڑی کے دروازے پر مارا۔ اندر سے ایک چارپائی گھسیٹنے کی آواز آئی اور خاموشی چھا گئی۔ پھر کوئی چلتا ہوا آیا اور دروازہ کھلا۔ یہ ایک پست قد سفید بالوں والا بڈھا تھا جس نے ریلوے ملازمین کی نیلی سوت کی وردی پہن رکھی تھی۔ اس کا چہرہ عام محنتی لوگوں کا سا تھا۔

''یہاں کون رہتا ہے؟'' اس نے پوچھا۔

''میں رہتا ہوں۔'' بڈھے نے سکون سے کہا۔ ''میں ریلوے ملازم تھا......''

نعیم نے ہاتھ کے اشارے سے اسے روکا۔ ''اس سے مجھے کوئی مطلب نہیں۔ میں روشن پور سے آیا ہوں۔ مجھے ہری چند نے بھیجا ہے۔ ماسٹر ہری چند۔''

''ٹھہرو۔'' بڈھے نے کہا اور اندر غائب ہو گیا۔ کمرے میں اندھیرا تھا اور سرد کثیف ہوا کی مخصوص بیمار کر دینے والی بو آ رہی تھی جیسی تہ خانوں میں سے آتی ہے۔ چند لمحے بعد بڈھا دروازے پر نمودار ہوا۔

''تمہیں سواری کا بہت شوق ہے۔'' اس نے نعیم کو گھوڑے پر سوار دیکھ کر کہا۔ ''اسے یہاں باندھ دو۔ ہمارے ہاں سوار بہت کم آتے ہیں۔''

اندر داخل ہو کر وہ بائیں ہاتھ کو مڑے۔ سامنے ایک اور دروازہ تھا جس میں ایک لمبے قد کا' دبلا پتلا زرد رو آدمی کھڑا تھا۔ اگلے کمرے میں بھی کوئی لیمپ نہ تھا' ایک پچھلے کمرے میں سے نکلتی ہوئی شعاعوں نے اس کمرے کو نیم روشن کر رکھا تھا۔ لمبے آدمی نے گرمجوشی سے اس کے ساتھ مصافحہ کیا۔

''میرا نام بالمکند ہے۔ میں ضلع کمیٹی کا اسسٹنٹ سیکرٹری ہوں۔''

وہ پچھلے کمرے میں داخل ہوئے۔ اس کمرے کی چھت نیچی تھی اور تین جگہ پر کیکر کے پتلے تنے چھت کو سہارا دینے کے لئے زمین پر کھڑے کیے گئے تھے۔ درمیان والے تنے سے مٹی کے تیل کی لالٹین لٹک رہی تھی۔

اس کے نیچے ایک بہت بڑی بے ڈھنگی سی میز رکھی تھی جس پر کھلے اور ان کھلے کاغذوں کے انبار لگے تھے۔ ایک لکڑی کا قلمدان درمیان میں پڑا تھا۔ سٹول پر ایک گلنجے بالوں والا شخص کہنیاں میز پر رکھ کر جھکا ہوا تھا۔ اس کا چشمہ میز پر پڑا تھا۔ دوسرے سٹول پر ایک نوجوان بیٹھا چند کاغذ دیکھ رہا تھا۔

ان دونوں کے داخل ہونے پر گلنجے بالوں والے نے سر اٹھایا۔ اس کا چہرہ میلے سنولائے ہوئے رنگ کا تھا جیسے گھوڑے کی لید کے اپلوں کا ہوتا ہے۔

''روشن پور سے' ہری چند نے انہیں۔'' بالمکند نے کہا۔

''روشن پور سے؟'' بوڑھے نے حیرت انگیز طور پر جوان آواز میں دہرایا۔

''نعیم احمد خاں۔''

''نعیم احمد خاں۔'' اس نے اٹھ کر گرمجوشی سے مصافحہ کیا۔ ''میں تمہیں جانتا ہوں۔ تمہیں کچھ دیر انتظار کرنا پڑے گا۔ میں ابھی فارغ ہوتا ہوں۔ بیٹھئے۔''

وہ پھر سر ہاتھوں میں لے کر بیٹھ گیا۔ پھر اس نے چشمہ اٹھا کر لگایا اور نوجوان کی طرف دیکھ کر تاسف سے سر ہلایا۔ ''یہ برا ہوا۔ تھو تھو۔ بہت برا۔''

قلمدان کے قریب سٹول پر بیٹھتے ہوئے نعیم نے دیکھا کہ لکڑی کی میز کی دو ٹانگیں ٹوٹ چکی تھیں۔ ایک کی جگہ لکڑی کی [illegible] ٹانگیں میز کو سہارا دیے ہوئے تھیں۔ کمرے میں اسی تہہ خانے والی بو کے ساتھ مٹی کے تیل اور جلتی ہوئی سوت کی بتی کی بو شامل تھی۔

بغیر پتے کا ایک لفافہ نوجوان کے ہاتھ میں تھمانے کے بعد وہ نعیم کی طرف متوجہ ہوا۔ ''آؤ یہاں بیٹھو۔ تمہیں دیکھ کر میں بہت خوش ہوا ہوں۔ میں تمہیں دو سال سے جانتا ہوں۔ تم 1913ء کی روشن محل کی پارٹی میں تھے۔''

نعیم نے بے حد چونک کر اسے دیکھا' جیسے وہ کسی دوسری دنیا کی بات کر رہا ہو۔

''میں نے تمہیں دور سے دیکھا تھا۔ اسی وقت سے ہم تمہاری تلاش میں تھے۔ لیکن جب ہم نے یہاں پر دفتر قائم کیا تو تم جنگ پر جا چکے تھے۔'' وہ سر ہاتھوں میں لے کر آہستہ آہستہ دبانے لگا۔ ''کانگرس کے لئے کام کرو گے؟''

''اسی لئے آیا ہوں۔'' نعیم نے مٹی کے تیل کی بو حلق میں محسوس کی۔

''ہاں' یہ پوچھنے کی ضرورت نہ تھی۔ مگر تم نے جنگ میں نوکری کی ہے اور امتیاز کے ساتھ۔''

''اوہ۔'' نعیم نے جلدی سے اس کی بات کاٹی۔ ''اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔''

''ٹھیک ہے۔ ہمارے پاس فنڈ نہیں ہیں۔ ہم صرف روٹی اور کپڑا مہیا کر سکتے ہیں۔ اور۔ اور ہو سکتا ہے کہ تمہاری کراس کی زمین بھی چلی جائے۔ ضبط ہو جائے۔''

''میں نے کہا نا..... کوئی فرق نہیں پڑتا۔''

''اچھا اچھا۔'' وہ سٹول گھسیٹ کر نعیم کے قریب ہو گیا۔ ''ہمیں تعلیم یافتہ نوجوانوں کی سخت ضرورت ہے۔ خصوصاً اس کام کے لئے جو تمہارے ذمے ہے۔ یہ کام عرصے سے میرے دماغ میں تھا۔ جتنا دشوار یہ کام ہے اس سے زیادہ دشوار اس کے لئے موزوں آدمی کے انتخاب کا سوال تھا۔ تم اس کے لئے موزوں ترین شخص ہو۔ میں جانتا ہوں۔ مگر تمہیں تربیت کی ضرورت ہے۔ تم چندرہ دن یہاں رہو گے۔ بالمکند تمہیں سب کچھ بتا دے گا۔ میرے پاس آنے کی تمہیں اب ضرورت نہیں...... مگر جاتی دفعہ مجھ سے مل کر جانا۔ خدا حافظ۔''

اس سے مصافحہ کرتے ہوئے نعیم نے محسوس کیا کہ اس کے مردہ چہرے کے برعکس اس کے ہاتھوں کا لمس اس کی آواز کی مانند حیرت انگیز طور پر جوان اور گرم تھا۔

درمیانی کمرے میں آ کر بالمکند نے لالٹین روشن کی۔ کمرے میں صرف ایک چارپائی تھی جس پر بستر لگا ہوا تھا۔ بالمکند نے اس کی طرف اشارہ کیا۔ ''یہ میرا بستر ہے۔ تم اس پر سو سکتے ہو۔ جو میں دو میں نہیں ہیں بے فکر رہو۔''

''تم کہاں سوؤ گے؟'' نعیم نے پوچھا۔

''میں بھی سو جاؤں گا۔'' اس نے لاپروائی سے کہا۔

نعیم نے ٹوپی اتار کر اس کے ساتھ گرد آلود چہرہ صاف کیا اور بستر کے کونے پر بیٹھ گیا۔ ''میں سویرے سے بھوکا ہوں۔''

UrduPhoto.com

''چاول [illegible]''

کچھ دیر کے بعد نعیم نے گوبھی کے شوربے کے ساتھ سرخ ابلے ہوئے چاول پیٹ بھر کر کھائے اور بالمکند سے ہاتھ کا بنا ہوا سگریٹ قبول کیا جس کا کاغذ خاصا ردی تھا۔

دو بجنے کے بعد نعیم نے سیکرٹری کی میز سے اٹھ کر مصافحہ کے لیے ہاتھ بڑھایا۔ ''خدا حافظ۔''

''خدا حافظ۔'' سیکرٹری نے اس کا ہاتھ دباتے ہوئے کہا۔ ''اچھی طرح سے سوچو، سمجھو، دیکھو اور سنو اور وہی کرو جو مناسب اور درست ہو اور اپنی جان کی حفاظت کرو۔ تم میرے بیٹے ہو لیکن سب سے اول تم ہندوستان کے بیٹے ہو۔ خدا حافظ۔''

دروازے پر وہ بالمکند سے رخصت ہوا۔

''تم بہت خطرناک لوگوں میں جا رہے ہو۔ مگر ہم میں سے کسی کو یہ کام بھی کرنا تھا۔'' بالمکند نے اپنی تیز چمکیلی آنکھوں سے جو اس کے چہرے پر اجنبی دکھائی دیتی تھیں، دیکھتے ہوئے کہا۔ ''تمہاری زندگی تمہاری نسبت ہمارے لئے بہت قیمتی ہے۔ بہت زیادہ۔ میں دعا کروں گا کہ تم ہندوستان کی آزادی اپنی آنکھوں سے اپنے وجود کی پوری قوتوں کے ساتھ دیکھو اور......''

''بالمکند۔'' نعیم نے لالٹین کی دھندلی روشنی میں اسے مخاطب کیا۔ ''تمہاری آنکھیں بڑی غیر معمولی

ہیں۔ مجھے پسند ہیں۔''

بالمکند لڑکیوں کی طرح شرمایا اور اس کے زرد چہرے پر ہلکی سی سرخی دوڑ گئی۔

''زندگی کی زیادہ تر قوتیں جو ہم پر عمل پیرا ہوتی ہیں' عموماً آنکھوں پر اثر انداز ہوتی ہیں۔ تم بھی جب اصل زندگی کے تکلیف دہ اور گرد آلود محنت کے چند سال گزار لو گے اور تمہارے جسم پر چند اور خراشیں آ جائیں گی تو تمہاری آنکھیں بھی غیر معمولی ہو جائیں گی۔ یا روشن' یا اندھی۔ یہ تمہاری آنکھوں پر منحصر ہے۔'' وہ منہ موڑ کر کھڑا ہو گیا۔ اس کے چہرے پر جو لالٹین کی روشنی میں آ گیا تھا اور اچٹی نظر ڈالتے ہوئے نعیم نے اس کے ہونٹوں کی خفیف اداس مسکراہٹ کو محسوس کیا۔

(۱۳)

''آج چالیس روز ہو گئے۔'' اس نے لیٹے لیٹے سوچا اور سیدھا ہاتھ پھیلا کر پتھریلی زمین کو محسوس کیا۔ یہ ایک بڑا سا' تاریک کمرہ تھا جس کا فرش اور دیواریں بڑے بڑے میلے پتھروں کی بنی ہوئی تھیں۔ چھت اونچی اور تاریک تھی۔ کمرے کی واحد کھڑکی بند تھی۔ اکہرے کواڑ کا دروازہ لکڑی کے بھاری تختے کی مدد سے بند کیا گیا تھا۔ [illegible] کی تاریکی میں اضافہ کر رہی تھی۔ وہ دیر سے فرش پر لیٹا ہوا تھا۔

''آج چالیسواں دن ہے۔'' اس نے مایوسی سے سوچا۔ ''اور میں نے کچھ نہیں کیا۔ بلکہ ان کے ساتھ مل کر خود...... خود بھی۔'' وہ جھلا کر اٹھا اور گھٹنوں کے گرد بازو لپیٹ کر بیٹھ گیا۔

''اور یہ شیلا...... کمبخت۔

''ایک...... دو...... تین۔ تین لائنیں' جن میں میں بھی شامل تھا تین۔'' اس نے تکلیف سے دہرایا۔ ''ایک کے لئے تو میں نے خود ڈانا مائٹ...... بالمکند کو اگر پتہ چل جائے کہ اس کے عزیز ہندوستان کے ساتھ میں کیا سلوک کر رہا ہوں۔ عزیز ہندوستان مائی فٹ...... میں کیا کر سکتا ہوں۔ یہ ضروری تھا۔ ان خطرناک' مایوس بھیڑیوں' حرام زادوں۔'' اس نے بہت دل میں گالی دی۔ ''دہشت پسندوں کے ساتھ رہنے کے لیے اور کیا کر سکتا ہوں۔'' خیالات کی روانی کے پیچھے یا درمیان میں کہیں اس نے یہ بھی سوچا کہ یہ تیسری بڑی گالی ہے جو اپنی عمر میں اس نے دی۔ ''ایسے نامراد لوگ میں نے میدان جنگ میں بھی نہیں دیکھے۔ یا اللہ وہ انگریز کس قدر بے دردی سے اسے۔'' اس نے جھرجھری لی۔

دروازے پر لکڑی کا تختہ آہستہ سے ہٹا اور ایک لڑکی کا گول چہرہ نمودار ہوا۔

''ملکر بند' کیا حال ہے؟'' اس نے بچوں کے شوخ لہجے میں پوچھا۔

"ٹھیک ہے۔"

لڑکی تختہ ہٹا کر اندر آ گئی۔ اس کا چہرہ چھوٹا اور جسم گدرایا ہوا تھا۔ وہ اپنی عمر کے لحاظ سے لمبی دکھائی دیتی تھی۔

"تم آج کیوں نہیں گئے؟" اس نے نعیم پر جھک کر پوچھا۔

"میری طبیعت خراب تھی۔"

"بارود لگانے سے ڈرتے ہو؟"

"بکو مت۔" وہ پھر فرش پر لیٹ گیا۔ کمرے میں دو ایک بے مقصد چکر لگانے کے بعد لڑکی باہر نکل گئی۔ جو ذرا سی روشنی دروازے کے رستے آ رہی تھی ختم ہو گئی۔

"آج میں نہیں گیا۔ ٹھیک ہے۔ کل درد سر کا بہانہ بھی نہ بناؤں گا' صاف انکار کر دوں گا۔ پہلے ہی کافی بے گناہ خون بہا لیا ہے۔ لیکن اس کا فائدہ؟ میں سب کچھ کہہ کیوں نہیں چکتا ہوں۔ ایں؟ لاحول ولا قوۃ۔ مجھے یہاں آنا ہی نہیں چاہیے تھا۔ میں ان سے کچھ نہیں کہہ سکتا۔ یہ اتنے اچھے اتنے دکھی لوگ ہیں...... اور یہ شیلا' یہ لڑکی۔"

لکڑی کا تختہ پھر کھسکا اور شیلا نے اندر جھانکا۔

"لکڑ بند چائے پیو گے؟"

"نہیں۔" اس نے لیٹے لیٹے جواب دیا۔

وہ اندر آ کر اس کے پاس بیٹھ گئی۔ "کیوں بارود لگانے سے ڈر لگتا ہے؟"

"مت بکو۔" نعیم نے خفگی سے کہا۔

"کیوں' بارود تو میں بھی لگا سکتی ہوں۔" وہ دوبارہ ہنسی۔ نعیم اٹھ کر بیٹھ گیا۔

"کیا دیکھتے ہو؟" شیلا نے اس کی آنکھوں میں جھانک کر کہا۔

وہ چپکے سے اٹھ کر دیوار کے پاس جا کھڑا ہوا۔ چند لمحے تک وہ کھڑکی کی زنگ آلود چٹخنی سے الجھتا اور سرخ ہوتا رہا۔

"اسے مت کھولو۔" شیلا نے کہا۔ "بابا ناراض ہو گا۔"

اس نے کھڑکی کا ایک پٹ ذرا سا سرکایا۔ روشنی کی ایک لمبی لکیر کمرے میں داخل ہوئی۔ سامنے چھوٹے سے پہاڑی گاؤں کے پیچھے سورج غروب ہو رہا تھا۔ اوپر نیچے بنے ہوئے لکڑی کے مکان دور سے سیڑھیوں کی طرح دکھائی دیتے تھے۔ گاؤں کے دامن میں گھنے' سیاہ باغ تھے۔ ان سے نیچے کھیتوں میں دھان کی فصل کھڑی تھی۔

"اور یہ کمبخت بابا! آج تک پتہ نہیں چل سکا کہ کس کے ساتھ ہے؟" اس نے ہتھیلیوں سے آنکھوں کو ملا۔ "اتنی مدت سے دن کی روشنی میں ہریالی نہیں دیکھی۔"

"لکڑ بند مسٹو" شیلا اس کے قریب آ کر بولی۔

"مجھ کو لکڑ بند مت کہو۔" نعیم نے خفگی سے کہا۔

UrduPhoto.com

''کیوں؟''

''کیوں؟ کیوں؟'' اس نے جل کر نقل اتاری۔ ''نعیم احمد خان میرا نام ہے۔''

''بھائی نے مجھے بتایا تھا کہ تمہارا یہ۔'' اس نے مصنوعی ہاتھ کو ڈرتے ڈرتے چھوا۔ ''لکڑی کا ہے تو ہمارے گاؤں میں ایک لنگڑا تھا۔ ایک باولا تھا۔ ہم اسے لنگڑا اور اسے باولا کہتے تھے۔''

''اچھا تو سنو۔ ہم یوں نہیں کہتے۔ ہم کہتے ہیں نعیم احمد خان اور شیلا رانی۔ کہو؟''

''نعیم احمد خان اور شیلا رانی۔''

دونوں ہنس پڑے۔ دھان کے کھیت پر سے مرغابیوں کی ڈار گزر رہی تھی۔

''نعیم احمد خان' تم بات کیوں نہیں کرتے؟''

''کرتا ہوں۔''

''کب؟ اتنے مہینے ہو گئے تم نے کوئی بات نہیں کی۔''

''صرف ایک مہینہ اور دس دن ہوئے ہیں۔''

''تم بڑا حساب رکھتے ہو۔''

''اچھا سنو۔ میرا یہ ہاتھ اصلی ہاتھ ہے۔ دیکھو۔'' اس نے لکڑی کی انگلیوں سے اس کی ناک کو چھوا۔ ''یہ تمہاری ناک ہے [illegible] ہیں۔ یہ گال ہیں۔ یہ ٹھوڑی ہے۔ یہ گردن ہے۔'' وہ دیر تک لڑکی کے چہرے کی گندمی' بے داغ جلد پر سرد' ٹھوس انگلیاں پھیرتا رہا اور اس نے محسوس کیا جیسے کہ وہ اس کی اصلی انگلیاں ہیں اور ان میں خون دوڑ رہا ہے اور لڑکی کی جلد کا گرم لمس خون میں شامل ہو کر اس کے سارے بدن میں گردش کر رہا ہے اور اس کے رونگٹے کھڑے ہوئے جا رہے ہیں۔ لڑکی کھلکھلا کر ہنس پڑی۔

''نعیم احمد خان' تم کل.....''

''نعیم احمد خان مت کہو۔ صرف نعیم کہو۔''

''تمہارے کتنے نام ہیں۔''

وہ ہنسا۔

''نعیم کل جاؤ گے؟''

''کہاں؟''

''لائن پر۔''

''نہیں۔ تمہیں ہر بات کا کیسے پتہ ہوتا ہے۔'' وہ غرایا۔

''مجھے ہر بات کا پتہ ہوتا ہے۔'' لڑکی نے آنکھیں نچا کر کہا۔ ''کیوں نہیں جاؤ گے؟''

''میں یہ کام نہیں کر سکتا۔''

UrduPhoto.com
maam
maurdu.com

''یہاں کیوں آئے ہو پھر؟''

''کیوں؟ اررر...... پتہ نہیں۔''

''پتہ نہیں؟'' لڑکی نے ہلکا سا قہقہہ لگایا۔ ''روٹی یہاں مفت نہیں ملتی جناب۔ واپس جائیے۔''

''اوہ......'' نعیم نے گال پھلا کر سانس چھوڑی۔ ''میں واپس چلا جاؤں گا۔''

لڑکی آنکھیں جھپکاتی ہوئی اس کی طرف دیکھتی رہی۔ ''نعیم ایک بات بتاؤ۔''

''کیا؟''

''تم مجھ سے ملنے کے لئے یہاں رہ گئے تھے؟''

''نہیں۔''

''پھر؟''

''میری طبیعت خراب تھی۔''

وہ ایک دم بجھ گئی۔ ''اچھا۔'' اس نے باہر دیکھتے ہوئے بے خیالی سے کہا۔ کھڑکی میں سے آتی ہوئی ستاروں کی روشنی میں اس کے ہونٹوں کی باریک سرخ جلتی ہوئی لکیریں بہت مدھم ہو گئیں۔

نعیم اٹھا اور سیدھے ہاتھ سے اس کی ٹھوڑی کو چھوا۔ ''اچھا، مانا کہ تمہارے لئے ٹھہر گیا تھا۔''

لڑکی [illegible] ہے۔''

''کیا [illegible]''

''میں بھی سمجھتی تھی۔ تمہاری آواز بیماروں والی نہیں تھی۔''

اندھیرے میں نعیم نے پیچھے کھلی کھڑکی کی آواز واضح طور پر سنی۔ اس نے ہاتھ بڑھا کر کھڑکی بند کرنا چاہی لیکن شیلا رستے میں کھڑی رہی۔

''کیا دیکھ رہی ہو؟''

''گاؤں۔''

''تمہارا بھی گاؤں تھا؟''

''ہاں۔ وہ میدانوں میں تھا اور بڑا زرخیز تھا۔''

''ناگپور کے قریب؟''

''ہاں۔ تمہیں کیسے پتہ ہے؟''

''تمہارے بھائی نے بتایا تھا۔ تمہارا وہاں کوئی دوست تھا؟''

''نہیں۔''

''تم جھوٹ بولتی ہو۔''

''نہیں۔ نہیں۔'' وہ نیچی آواز میں چیخی۔

نعیم نے کندھے اچکائے۔ ''یونہی مجھے خیال ہوا تھا۔''

دونوں خاموش کھڑے رہے۔ پھر لڑکی نے آہستہ آہستہ کہنا شروع کیا۔ ''مدن گھر سے بھاگ گیا۔ میں اکیلی اکیلی کھیلا کرتی تھی۔ گاؤں میں ہر سال ہیضہ پھیلتا تھا۔ پہلے ماں مری' پھر باپ۔ پھر مدن کہیں سے آ گیا۔ پھر......''

''مجھے پتہ ہے۔'' نعیم نے ہاتھ سے اسے خاموش رہنے کا اشارہ کیا۔

''مجھے سب پتہ ہے۔ تمہارے بھائی نے بتایا تھا۔''

''کب؟''

''جب پچھلی بار لائن پر گئے تھے۔ تم پر بہت ظلم ہوئے ہیں۔''

''اچھا!'' شیلا نے تعجب سے بے دھیانی سے اندھیرے میں دیکھتے ہوئے کہا۔

چاند کی آخری بہاریں تھیں اور سارے میں تاریکی اور ستاروں کی مدھم روشنی پھیلی ہوئی تھی۔ سامنے پہاڑی پر اوپر نیچے بنے ہوئے مکانوں میں دیے جل رہے تھے اور بجھ رہے تھے۔ ان کی کھڑکی کے نیچے ایک پہاڑی جھرنا بہتا تھا۔ پتھروں پر بجتے ہوئے پانی کی کھنک' جو دور چلتے ہوئے رہٹ کی آواز سے مشابہ تھی' ان کے کانوں میں آ رہی تھی۔ [illegible] سامنے سے گزرا۔

''میں جاؤں؟'' لڑکی نے سہم کر کہا۔

''ٹھہرو۔''

''ابھی فرشتہ گزرا تھا۔'' لڑکی نے کہا۔

وہ ہنسا۔ ''نہیں۔ چمگادڑ تھی۔''

''چمگادڑ؟'' شیلا نے خوف زدہ آواز میں دہرایا۔ ''ایسا مت کہو۔ وہ فرشتہ تھا۔ یہ جب بھی گزرتا ہے وہ آ جاتے ہیں۔ مجھے اب جانا چاہیے۔''

لیکن وہ کھڑی رہی۔

''تم کہاں سوتی ہو؟''

''ساتھ والے کمرے میں۔''

''اچھا! میں سمجھا گاؤں چلی جاتی ہو۔''

''تم دروازے کے پاس سوتے ہو۔''

''تمہیں کیسے پتہ ہے؟''

''تم بڑے زور کے خراٹے لیتے ہو۔ مجھے غصہ آ جاتا ہے۔''

UrduPhoto.com

''اچھا؟'' وہ دھیرے سے مسکرایا۔ ''تخت ہٹانے کا شور ہوتا ہے؟''

''نہیں۔ میں نے کئی بار ہٹا کر تمہیں دیکھا ہے۔''

''کیوں؟''

''تم سونے نہیں دیتے تھے۔ میرا جی چاہتا تھا تخت تمہارے اوپر دے ماروں۔''

وہ پھر مسکرایا۔ ایک اور چمگادڑ پھڑپھڑاتی ہوئی کھڑکی کے پاس سے نکل گئی۔ شیلا نے ہاتھ اٹھا کر اس کی کہنی پر رکھا اور آنکھیں پھیلا کر اندھیرے میں پرندے کا تعاقب کیا۔ پھر وہ چپکے سے باہر نکل گئی۔

آدھی رات کے قریب بارش ابھی شروع ہوئی تھی کہ وہ تینوں آ گئے۔ کمرے میں داخل ہو کر انہوں نے آتش دان پر پڑا ہوا دیا روشن کیا۔

''بارود گیلی ہو گئی؟'' اقبال نے قمیض آتش دان پر پھیلاتے ہوئے پوچھا۔

''نہیں۔ میرے پیٹ پر تھی۔'' بنرجی نے قمیض کا دامن جھٹکا اور کمر سے بارود کی پیٹی کھولنے لگا۔

''آتش دان سے دور رکھنا۔'' اقبال نے کہا۔

''سن سن کر کان پک گئے ہیں۔ خاموش رہو۔'' بنرجی نے ہوا میں منہ اٹھا کر گالی دی۔ پھر اقبال اور بنرجی نے ایک [illegible] اور [illegible] گئے۔

نعیم دیوار کے سہارے، گھٹنوں کے گرد بازو لپیٹے بیٹھا، سرخ بے خواب آنکھوں سے انہیں دیکھتا رہا۔ ان کے بالوں سے پانی کے قطرے ٹپک رہے تھے۔ مدن آتش دان پر بیٹھا آگ جلانے کی کوشش کر رہا تھا۔ اقبال نے کمر سے پستول کھول کر کیل پر لٹکایا۔ کیل اکھڑ گئی اور سن کے خول میں لپٹا ہوا پستول آواز پیدا کرتا ہوا فرش پر گر پڑا۔ اقبال چند لمحے تک اسے اٹھانے کا ارادہ کرتا رہا پھر آتش دان کے پاس ٹانگیں پھیلا کر بیٹھ گیا۔

''سگریٹ ہے؟'' اس نے پوچھا۔

''نہیں۔'' مدن نے کہا۔

اس نے کندھے ڈھلکائے اور دیوار پر سر رکھ کر آنکھیں بند کر لیں۔ اوپر دیا جل رہا تھا۔ اس کے چہرے کی ابھری ہوئی ہڈیاں آنکھوں اور رخساروں کے گڑھوں پر سایہ کیے ہوئے تھیں۔ دیوار کے ساتھ یوں ساکت بیٹھا وہ چکنی سیاہ مٹی کا بت معلوم ہو رہا تھا۔ اس کے گیلے بال کھردرے، گھنگریالے اور غلیظ تھے اور مضبوط بناوٹ کا چہرہ کمزور دکھائی دے رہا تھا۔ نعیم کے دل میں اس کے لئے بے معلوم سا رحم پیدا ہوا۔ اس نے اٹھ کر کیل گاڑی، اس کا پستول لٹکایا اور اس کے پاس جا کر ایک سگریٹ نکال کر دی۔

''کیسے ہو؟'' خاموشی سے سگریٹ سلگا کر اقبال نے پوچھا۔

''ٹھیک ہوں۔''

''کیا کرتے رہے؟''

''کچھ نہیں۔'' نعیم نے آگ میں دیکھتے ہوئے کہا۔ ''سوچتا رہا۔''

''تم سوچ لیتے ہو؟'' بشرجی نے پلٹ کر تمسخر سے پوچھا۔

''ہاں۔'' نعیم نے ڈھٹائی سے اس کے چہرے کو دیکھتے ہوئے کہا۔

''بہتر ہے کہ سوچنا چھوڑ دو۔'' وہ دیوانہ وار گیلے سگریٹ کو سلگانے کی کوشش کرتا ہوا بولا۔ ''میں نے بھی چھوڑ دیا ہے۔''

مدن نے ایک لکڑی توڑ کر آگ میں پھینکی اور مسکرایا۔

''تمہارے لئے یہ کام مشکل تھا' تم نے چھوڑ دیا۔''

''کیوں۔ یہ میں نے ہی سوچا تھا کہ ہم سب میں سے آگ جلانے کے لائق صرف تم ہو۔ دیکھو تم سے کم وقت میں آگ جلا لیتے ہو۔ میں خوش ہوں۔'' اس نے ہاتھ بڑھا کر آگ تاپی۔ ''ہم سب خوش ہیں۔''

اس کے چھوٹے سے مکار' ذہین چہرے پر تعریفی مسکراہٹ نمودار ہوئی۔ کمبل کو گھسیٹ کر وہ آگ کے قریب آ گیا۔ بند کمرے میں پتھروں پر پڑی ہوئی دھول اڑی اور اس کی ناگواری کو سب نے محسوس کیا۔

''تم اپنے بستر سے جدا نہیں ہو سکتے؟'' اقبال نے ناک سکیڑ کر کہا۔ ''عورتوں کی طرح۔''

''ہم [illegible]''

بشرجی سگریٹ کو انگلیوں میں پھراتا ہوا سوچ رہا تھا۔ نعیم اس کی طرف جھکا۔

''تم واقعی خوش ہو بارود کر؟''

''ہاں۔ تم نے ایسی خوفناک شکل کیوں بنا رکھی ہے؟'' اس نے بیزاری سے سگریٹ کو آگ میں اچھالا۔ ''گیلا ہو گیا ہے۔''

''بارود کی بجائے تمہیں تمباکو بچانا چاہیے تھا۔'' نعیم نے کہا۔

''ہاں شاید۔''

''اب بارود پیو۔''

شیلا المونیم کے بڑے برتن میں پانی بھر کر لائی اور اسے آگ پر رکھ دیا۔

''بڈھا کچھ کھانے کو دے گا؟ میں بھوک سے مر رہا ہوں۔'' مدن نے کہا۔

''پتہ نہیں۔'' وہ کمر پر ہاتھ رکھے کھڑی رہی۔ گھنے سیاہ بالوں کی لٹ اس کے گال پر لٹک رہی تھی اور آنکھیں آگ کی روشنی میں چمک رہی تھیں۔

''شیلا' کچھ کھانے کو دو۔'' مدن نے نرمی سے کہا۔ نعیم نے محسوس کیا کہ اس کا ماتھا اور آنکھیں بالکل اپنی بہن سے مشابہ تھے۔ شیلا 'اچھا' کہہ کر باہر نکل گئی۔ کچھ دیر کے بعد بڈھا ہاتھ میں کھانے کا برتن لئے داخل ہوا۔

''آج کچھ آلو پکائے ہیں' لونڈو'' اس نے جنوبی ہند کے کسانوں کے لہجے میں کہا۔ سخت گندا برتن آلوؤں کے اشتہا آور سرخ شوربے سے بھرا ہوا تھا اور اس میں سے ہلکی ہلکی بھاپ اٹھ رہی تھی۔ چاروں مرد اپنی اپنی مصروفیت چھوڑ کر برتن کے گرد جمع ہو گئے۔ بڈھا اپنے حقے پر جھک گیا۔

''روٹیاں'' دو آدمی ایک ساتھ بولے۔

''اوہ......'' بڈھے نے بڑے فوجی کوٹ کی جیب میں سے چند میلی روٹیاں نکال کر انہیں دیں۔ پھر اس نے مادھو کر بنرجی کی لمبی' باریک' چھری کپڑے کے خول میں سے نکالی اور اس کی مدد سے حقے کی نالی میں جما ہوا تمباکو کا میل کھرچنے لگا۔

دیر تک وہ آتش دان کے سامنے بیٹھے بھوکے' تھکے ہوئے جبڑوں کے ساتھ کھانا چباتے رہے۔ آگ کی روشنی میں ان کی کنپٹیوں اور جبڑوں پر ایک ایک ہڈی اور پٹھا الگ الگ دکھائی دے رہا تھا۔ باہر بارش لگاتار ہو رہی تھی۔ کھڑکی پر اس کی ہلکی مسلسل آواز کمرے کی خاموشی اور دوری میں اضافہ کر رہی تھی۔ اندر چیز کے جلنے کی ہلکی پھنکار اور کھانا کھانے کی آوازیں تھیں۔ بڈھا ایک پتھر پر آنکھیں بند کئے بیٹھا حقہ پی رہا تھا۔

''لونڈیا کے لئے چھوڑ رہنے دو۔ اور کچھ نہیں ہے۔'' آنکھیں بند کئے کئے وہ بولا۔

چاروں مردوں نے اسے گھور کر دیکھا۔ پھر تقریباً سب نے ایک ساتھ ہاتھ کھینچ لیا۔

برتن [illegible] ایک سگریٹ کو سلگانے کی چند منٹ بے کار کوشش کے بعد اسے آگ میں اچھال دیا اور ہوا میں گالی دی۔

''آج کیا ہوا؟'' نعیم نے اقبال کو مخاطب کر کے پوچھا۔

وہ منہ پھیر کر قمیض' جو اب خشک ہو چکی تھی' پہننے لگا۔

''ڈاک خانہ خاموش ہو گیا؟'' نعیم نے پھر پوچھا۔

''اوہ......ہوں۔''

''اور تار؟''

''ہوں ہنک۔'' اقبال نے آگ میں دیکھتے ہوئے دوبارہ ناک میں سے ملی جلی آواز نکالی۔

''تم بول نہیں سکتے؟'' نعیم نے تیزی سے کہا۔

اقبال نے خفگی' علیحدگی اور اکتاہٹ سے اس کی طرف دیکھا اور دیوار پر سر رکھ دیا۔ ''بیزار مت کرو۔ میں تھکا ہوا ہوں۔''

''تمہارے پاس کہنے کے لئے کچھ بھی نہیں۔ تم نے کچھ بھی نہیں کیا۔''

اقبال نے آہستہ آہستہ آنکھیں کھول دیں۔ ''ہم نے ایک آدمی کو خاموش کیا ہے۔ میرے پاس کہنے کے لئے بہت کچھ ہے۔'' اس نے آہستہ آہستہ کہا۔

"صرف جب مجبور کر دیے جاؤ۔ ورنہ کچھ نہیں۔ تم کچھ بھی یاد نہیں رکھنا چاہتے۔ تم نے کوئی ایسا کام نہیں کیا جس کے متعلق بات کر سکو۔ میں جانتا ہوں۔ میں نے محسوس کیا ہے۔"

"بیکار بیٹھے بیٹھے تم ناکارہ ہو گئے ہو" مادھوکر نے مایوسی سے سر ہلایا۔ "اچھا ہوتا تم ہمارے ساتھ چلتے۔"

"اور..... اور" نعیم سخت غصے میں کچھ کہتا کہتا رک گیا۔

مادھوکر اس کی طرف جھکا۔ "اور یہ کیا چلن ہیں تمہارے۔ باؤلے ہو؟"

نعیم خاموش بیٹھا چھوٹی چھوٹی کمزور لکڑیوں کو انگلیوں سے توڑتا رہا۔ رفتہ رفتہ اس نے اپنے آپ پر قابو پا لیا۔ اقبال دیوار سے لگا لگا سو گیا تھا۔ مدن اپنی ران کے زخم کو گرم پانی سے دھو رہا تھا۔ بند کھڑکی سے لگاتار بارش کی آواز آ رہی تھی۔ مادھوکر نے چند لکڑیاں آگ پر پھینکیں۔ چیڑ کے دھوئیں کی تیز بو کمرے میں پھیلی۔ بھیگی لکڑیاں بھڑاک سے جل اٹھیں۔ شیلا اپنے بھائی کے زخم پر پٹی باندھنے لگی۔

"کون تھا؟" نعیم نے پوچھا۔

"چوکیدار۔" مدن نے بتایا۔

"پھر؟"

"پھر وہ ہوشیار ہو گئے۔"

"کیوں؟"

"ہم سے غلطی ہو گئی۔"

"اسے قتل کرنا ضروری تھا؟" نعیم نے مشکوک نظروں سے اقبال کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"اوہ....." مدن نے کندھے اچکائے۔ "شروع حملے میں ہم سے غلطی ہوئی۔ جو بعد میں..... یوں کرنا ہی پڑا۔"

شہد کی سی صاف آواز میں نعیم بولا: "میں جانتا ہوں۔"

"کیا؟"

"اسی وجہ سے وہ خوف زدہ ہے۔" اس نے پھر اقبال کی طرف دیکھا۔

"خوف زدہ؟" مادھوکر حیرت سے پکارا۔ "وہ ایک مچھر کی طرح قتل کر سکتا ہے۔ پتہ ہے تمہیں؟"

"غلط....." نعیم نے غصے سے گھونسہ اپنی ران میں مارا۔ "میں تمہیں بتاتا ہوں وہ اس وقت خواب میں بھی یہی دیکھ رہا ہے۔"

مدن اور مادھوکر نے تجسس سے اسے دیکھا۔

"کیا دیکھتے ہو؟" اس نے آگ کی طرف ہاتھ پھیلایا۔ "یہ سبق میں نے میدان جنگ میں سیکھا تھا۔ تم کسی انسان کو مچھر کی طرح نہیں مار سکتے۔ کبھی نہیں۔" وہ آگے کی طرف جھک کر بیٹھ گیا۔ "سنو۔ بہت سے مچھروں کو..... یہ اس نے مجھے بتایا تھا۔ بہت سی چیونٹیوں کو تم آسانی سے مار سکتے ہو۔ ایک کو نہیں۔ وہ بے گناہ آدمی تھا اور

UrduPhoto.com

ایک آدمی تھا' اور مزدور تھا یا کسان تھا' اور غریب بھی تھا' چنانچہ وہ ہمیشہ اس کے خواب میں آئے گا۔ میں جانتا ہوں۔"

یکلخت مادھوکر کا قہقہہ بلند ہوا۔ اونچا' زوردار' وحشی قہقہہ۔ اقبال نے گھبرا کر آنکھیں کھول دیں۔ ہنستے ہنستے مادھوکر کی آنکھیں ابھر آئیں اور چہرہ سرخ ہو گیا۔ اس نے ہاتھ چوڑا کر کے اقبال کی ران پر مارا۔

"تم خواب میں کیا دیکھ رہے تھے؟"

اقبال خاموش غصے کے ساتھ اسے دیکھتا رہا۔

"بے گناہ آدمی' اور ایک آدمی۔" وہ ہنستے ہنستے جھک گیا۔

"بے گناہ آدمی اور ایک آدمی۔ سنا؟ یہ کہتا ہے چوکیدار تمہارے خواب میں آئے گا۔ وہ بے گناہ آدمی اور ایک آدمی ہے۔ بے گناہ اور ایک۔ ہہ ہہ ہہ ہو ہو ہو ہا ہا ہا۔ بےگناہ اور ایک......"

اقبال اسی طرح سر دیوار سے ٹیکے سرخ آنکھوں سے اسے گھورتا رہا' پھر کھسک کر زمین پر لیٹ گیا۔ "شور مت مچاؤ۔ مجھے سونے دو۔" اس نے بیزاری سے کہا۔

آہستہ آہستہ مادھوکر خاموش ہو گیا۔ پھر بھی وقفے وقفے پر خاموش ہنسی کے جھٹکے اس کے پیٹ اور شانوں پر ظاہر ہوتے رہے۔ بارش تھم چکی تھی۔ کھڑکی کی درزوں میں سے جھرنے کا ہلکا شور اندر آ رہا تھا۔ آتشدان میں لکڑیاں چیخ رہی تھیں۔ مردوں پر غنودگی طاری تھی اور وہ سونے کی کوشش کر رہے تھے۔ نیند کسی کو نہیں آ رہی تھی۔

"میں [illegible]" صاف آواز میں نعیم نے کہا۔ اقبال آنکھیں کھول کر جلتے ہوئے کوئلوں کو دیکھنے لگا۔ اس کی آنکھیں خشک تھیں اور چہرہ آگ کی وجہ سے سرخ ہو رہا تھا۔ وہ خاموش لیٹا رہا۔

"کیا فرق پڑتا ہے۔" مدن نے گرم اینٹ سے زخم پر ٹکور کرتے ہوئے کہا۔

"یہاں پر کیا ہے؟ پتھروں میں کچھ پیدا نہیں ہوتا۔ پتھر پانی بھی جذب نہیں کرتے۔ یہاں پر جو پانی بہتا ہے اوپر سے گزر جاتا ہے۔ یہ جگہ بانجھ عورت کی طرح ہے۔"

"یہ جگہ زیادہ محفوظ ہے۔"

"محفوظ؟ یہ ساری جگہ محفوظ ہے۔" نعیم نے بازو پھیلا کر کہا۔

"یہ دنیا انسان کا گھر ہے۔ ساری دنیا۔ جہاں کھانے کو ملتا ہے وہ جگہ سب سے زیادہ محفوظ ہے۔"

"ہنہ۔" مدن ہنسا۔ "کھانے کو؟ کھانے کو کسے ملتا ہے۔ ہمیں؟ مزارعوں کو؟ کھانے کو کون دیتا ہے؟" زخم پر اینٹ کی تپش محسوس کر کے اس نے نچلا ہونٹ دانتوں میں دبا لیا۔ "تم چاند پر سے آئے ہو یا میدانوں میں سے؟ تمہیں وہاں کھانے کو ملتا تھا تو وہ جگہ تمہارے لئے محفوظ تھی۔ تم یہاں کیوں آئے؟"

"اسی لئے تو......"

"سنو۔" مدن نے بات کاٹی۔ "کھانے کے لئے بیلوں کو بھی ملتا ہے۔ مگر بیلوں اور انسانوں میں بڑا فرق

ہے۔ وہاں بیلوں اور آدمیوں کو ایک ہی برتن میں کھانا ملتا ہے۔ تم نہیں جانتے؟ انسانوں کی پگڑی سر پر ہوتی ہے' گلے میں نہیں ہوتی۔ انسانوں کو کھانا عزت سے آبرو سے ملنا چاہیے۔ وہاں پر کھانا صرف بیل کی ناند میں ملتا ہے۔''

''میں جانتا ہوں۔'' نعیم نے ہاتھ اٹھا کر اسے چپ کرایا۔ ''لیکن عزت اور آبرو کے لئے ایک بہت بڑی جنگ کی ضرورت ہے۔ اس سے بھی بڑی جو میں نے دیکھی ہے۔ ہمارے پاس ہتھیار نہیں ہیں۔ ہم کمزور ہیں۔ نیچے جا کر ہم ایک وسیع جنگ شروع کر سکتے ہیں۔ ایک نئی جنگ' جو بغیر اسلحے کے ہوگی مگر لاکھوں اور کروڑوں میں ہوگی۔ اس طرح جیسے ہم کر رہے ہیں' ہم کوئی جنگ نہیں جیت سکتے۔'' ''نیچے جا کر؟'' مدن نے سخت جھلا کر کہا۔ ''نیچے جا کر ہم پھر انہی لاکھوں کروڑوں میں مل جائیں جن سے ہم بھاگے ہیں؟ پھر بیلوں کی طرح کام کریں؟ تمہیں پتہ ہے وہ کتنی محنت کرتے ہیں اور انہیں کھانے کو کتنا ملتا ہے؟ وہ کتنے گھنٹے کام کرتے ہیں اور کتنے گھنٹے سوتے ہیں؟ تم نے میرے باپ کو کھیتوں میں کام کرتے ہوئے دیکھا ہے؟ یا اپنے باپ کو؟ ان کی انگلیاں ٹیڑھی ہوگئی ہیں اور پیٹھ کی کھال دھوپ میں جل گئی ہے اور آنکھوں میں پسینہ بہہ بہہ کر وہ اندھے ہوگئے ہیں اور ان پر اتنا قرض ہے کہ سات پشتیں ادا نہیں کر سکتیں اور تم نے مالکوں کے مکان دیکھے ہیں' اور زمینیں' اور مویشی؟ اور جتنا دودھ روزانہ ان کے گھر میں جاتا ہے اتنا تم نے ساری عمر میں بھی پیا ہے؟ تم کہاں کی بات کرتے ہو؟''

''اوہ...... مدن۔'' نعیم نے ماتھے پر ہاتھ پھیرا۔ ''ان لوگوں سے بچ کر تم کہاں جا سکتے ہو! اس جنگ میں بھی شریک ہیں۔ ہندوستان کتنا بڑا ملک ہے۔ اس میں کتنے جاگیردار اور کتنے نواب ہیں۔ اس کا تمہیں کوئی اندازہ نہیں ہے۔ ہم چند آدمی غاروں میں چھپ کر ان کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔ یہ درندوں کی زندگی اور درندوں کی جنگ ہے۔ ہم اپنے والدین کی نسبت بدتر زندگی بسر کر رہے ہیں۔ انہوں نے محنت کی اور خاموش رہے۔ بڑی خاموش' بڑی طاقتور جنگ۔ ہم نہ محنت کرتے ہیں نہ جنگ کرتے ہیں' محض چوری کرتے ہیں۔''

مادھو کر نے ایک لکڑی گھٹنے پر رکھ کر چٹاخ سے توڑی اور اسے آگ میں پھینک کر بولا۔ ''درندے بغاوت کر سکتے ہیں' بیل نہیں کر سکتے۔ ایک دفعہ میں نے ایک سرکس دیکھا تھا۔ رنگ ماسٹر نے جب چھانٹا پٹخا یا تو شیروں نے اس پر حملہ کر دیا اور اس کو پھاڑ ڈالا۔ کبھی بیلوں کو بھی مالکوں پر حملہ کرتے تم نے دیکھا ہے۔ وہ صرف آپس میں لڑتے ہیں۔ کبھی کبھی بیلوں سے انسان بننے کے لئے پہلے درندے بننا پڑتا ہے۔''

''مالکوں کی بحث بیکار ہے۔ ہماری اصل جنگ ان سے ہے جنھوں نے مالکوں کو بنایا ہے۔ جو کاریگروں کے ہاتھ کاٹ دیتے ہیں اور سوچنے والوں کے دماغ شل کر دیتے ہیں۔ وہ غیر ملکی جو ہمارے ملک کو غریب کر رہے ہیں۔ تم ان سے لڑنے کا طور نہیں جانتے۔ اس کے لئے......''

''میں جانتا ہوں۔'' مدن نے اس کی بات کاٹی اور آگے جھک کر بیٹھ گیا۔ ''میں شاید تم سے زیادہ ہی جانتا ہوں۔ میں نے تین سال تک کتابیں پڑھی ہیں۔ معاشیات اور تاریخ۔ یہ مت سمجھو کہ میں کسی غلط فہمی میں مبتلا ہوں۔ میں جانتا ہوں کہ ہندوستان انگریزوں کی سلطنت ہے' اور ایسے کئی ہندوستان انگریزوں کی ملکیت ہیں۔ مجھے پتہ

ہے کہ وہ کیا حاصل کر رہے ہیں اور کس طریقے سے حاصل کر رہے ہیں۔ انہوں نے سکول اور کالج کھولے ہیں' ریل گاڑی چلائی ہے' ہسپتال بنائے ہیں۔ لیکن وہ کتنا ریونیو اکٹھا کر رہے ہیں۔ تمہیں ہندوستان کا رقبہ معلوم ہے؟ وہ کتنی کھلی تجارت ہندوستان کے اندر اور باہر کر رہے ہیں اور ہندوستان کی آمدنی کا کتنا حصہ وہ یہاں پر خرچ کر رہے ہیں۔ مجھے سب پتہ ہے۔ مگر میں نے تاریخ بھی پڑھی ہے۔ دنیا کی ہر جنگ کا آغاز اسی طرح ہوا۔ ملکوں کی نہیں لوگوں کی جنگ کا۔ ہر تحریک جو ملک کے اندر پھیلی اسی طرح پھیلی۔ بے شک بعض جنگیں آخر میں زیادہ باوقار اور زیادہ سنجیدہ طریقے پر فیصل ہوئیں' لیکن ابتداء میں کیا تھا؟ چند لوگ' جن کے سر پر خون سوار تھا۔ محکومیت اور ظلم سے سوئے ہوئے دماغ اور ہاتھ پاؤں تقریروں اور جلسے جلوسوں سے نہیں جاگتے اور حکومت جس کی جڑیں مدتوں سے مضبوط ہو رہی ہوں' ان باتوں سے کبھی نہیں چونکتی۔ وہ ہنگامے سے چونکتی ہے اور جو جنگ کو ختم کرنے اور جیتنے والوں نے ہمیشہ ان چند لوگوں کی مذمت کی اور انہیں برا بھلا کہا' لیکن بعد میں آنے والوں نے تاریخ کی کتابوں میں لکھا کہ وہ لوگ جنہوں نے جنگ جیتی ایسے کبھی شروع نہیں کر سکتے تھے۔ ان کے دماغ میں خون تھا۔ جو شروع کرتے ہیں ان کے بازوؤں اور سینوں میں خون ہوتا ہے۔ آزادی کی ہر تحریک کو شروع کرنے کے لئے درندوں کی ضرورت ہے۔'' اس نے لٹکی ہوئی زخمی ٹانگ کو مشکل سے دوہرا کیا۔ اس کے ماتھے پر پسینے کے قطرے نمودار ہو گئے تھے اور چہرہ زرد ہو رہا تھا۔ باہر بارش ایک بار پھر تیزی سے شروع ہو گئی۔

نعیم نے مایوسی سے سر ہلایا۔ ''میں نہیں سمجھا..... میں نہیں سمجھا مدن تم کیا کہہ رہے ہو۔ تمہارے پاس کیا تجویز ہے' کیا پروگرام ہے مجھے کچھ پتہ نہیں۔ تم خود اس بارے میں کچھ نہیں جانتے۔ تم بغیر تجویز کے' بغیر ارادے کے مارتے اور تباہ کرتے ہو اور خود اس پر پچھتاتے ہو۔ میں جانتا ہوں۔ میں محسوس کر سکتا ہوں۔ تمہاری زندگیوں میں ایک مہیب خلا ہے۔ تم جو کچھ کرتے ہو اسے بھلا دیتے ہو۔ تم کچھ حاصل کرنا نہیں چاہتے۔ تمہارے پاس محض احساس جرم ہے۔ ایسے کبھی جنگیں جیتی جاتی ہیں۔''

مدن اسی طرح رانوں پر جھکا بیٹھا تھا؟ سر اٹھا کر بولا۔ ''تمہارے پاس کیا تجویز ہے؟''

''کہ یہ جنگ سب لوگوں کی ہے' میری تمہاری یا اقبال کی نہیں۔ ان تمام لوگوں کی جو کھیتوں میں' بازاروں میں' سڑکوں پر اور ریل کے سٹیشنوں پر اور بندرگاہوں پر جھکے ہوئے ہیں اور محنت کر رہے ہیں۔ جن کے چہروں پر مشقت کی لکیریں پڑ چکیں اور جو نہیں جانتے کہ ان پر ظلم ہو رہا ہے۔ ہم.....'' مدن نے ہاتھ اٹھا کر اسے روکا۔ ''یہ تم نے پہلے بھی بتایا تھا۔ میں پوچھتا ہوں تمہارے پاس کیا تجویز ہے؟ زمین ہمیں مل جائے گی؟''

''ہاں۔''

''ہم اس کے مالک بنا دیئے جائیں گے؟''

''یقیناً۔''

''ملک کا ریونیو ملک پر خرچ ہوگا؟''

''ہونا چاہیے۔''

''جاگیرداری ختم کردی جائے گی؟''

''ہاں۔ اس کے ساتھ جاگیردار اور مزارعے کا رشتہ بھی ختم ہو جائے گا۔''

مدن کی آنکھیں چمکیں۔ ''کیسے؟''

''ان کے پاس جا کر انہیں بتایا جائے کہ وہ محنت کر رہے ہیں اور اس کی قیمت ان کو نہیں مل رہی۔ اور کہ ان پر ظلم ہو رہا ہے اور وہ اسے ختم کر سکتے ہیں کہ دنیا کی تمام تر طاقت ان کے قبضے میں ہے.....''

''اور یوں انہیں بتاتے بتاتے ہم جیل میں چلے جائیں؟ کچھ کیے بغیر۔'' مدن نے تیزی سے کہا۔

''کچھ کیے بغیر؟'' نعیم تقریباً چیخ پڑا۔ ''جیل جانے سے پہلے پہلے تم ہندوستان بھر میں آگ لگا سکتے ہو۔ تم بھی اپنی طاقت سے بے خبر ہو مدن۔ جب تم چلے جاؤ گے تو وہ لوگ دوسرے لوگوں کو بتائیں گے اور جب لوگ چلے جائیں گے تو دوسرے دوسروں کو بتائیں گے اور جب وہ سر سیدھا کر کے کھڑے ہوں گے تو۔''

''ٹھہرو ٹھہرو۔'' مدن نے بیتابی سے بات کاٹی۔ ''زیادہ باتیں مت کرو۔ نعیم میں گاؤں کا اچھوت تھا۔ مجھے کس طرح وہاں سے نکلنا پڑا۔ تمہیں سب پتہ ہے۔ میں زمیندار کے کتوں کے ساتھ بیٹھ کر کھاتا اور رہتا تھا۔ پھر میں کئی سال تک ملک بھر میں دھکے کھاتا رہا۔ اب میں پچیس برس کا ہوں۔ پچیس برس ایک لمبا عرصہ ہے۔ پچیس برس [illegible] کے متعلق بات کرنا چاہتا ہوں۔ سنو گے؟ پچیس برس۔ اور میں نے ایک روز پیٹ بھر کر کھانا نہیں کھایا۔ تمہیں پتہ ہے اس کا کیا مطلب ہے؟ اور تم احساس جرم کی باتیں کرتے ہو۔ تم نے دو سال کی جنگ دیکھی ہے اور ڈینگ مارتے ہو۔ میں نے ایک ایک دن دیکھا ہے اور پچیس برس نکل گئے ہیں۔ میرے پاس یاد رکھنے کو بہت کچھ ہے اور وہ میری بہن ہے جو میرے بعد فاحشہ عورت بنے گی۔ اس لئے میں جیل میں جانا پسند نہیں کرتا۔ سنا تم نے؟'' اس نے اکڑی ہوئی انگلی نعیم کی چھاتی میں چبھوئی۔ ''تمہیں اب چاہیے کہ جا کر سو جاؤ یا دفع ہو جاؤ۔ مجھے پتہ چل گیا ہے کہ تمہارے دماغ میں کچھ نہیں ہے۔ سب بکواس ہے۔'' بات ختم کر کے اس نے زخمی ٹانگ کو سیدھا کیا اور ہونٹ کاٹنے لگا۔ نعیم خاموش بیٹھا غصے سے بند کھڑکی کو دیکھتا رہا جس کی درزوں میں سے بارش کا پانی اندر آ رہا تھا۔

اچانک مادھو کر بنرجی بول اٹھا۔ ''تو کیا تم سمجھتے ہو کہ ہم یہ سب کچھ نہیں چاہتے۔ ہم ہمیشہ سے جانوروں کی طرح رہتے آئے ہیں؟ ہم نے کبھی صاف ستھری جگہ پر بیٹھ کر صاف ستھرے برتنوں میں الگ الگ برتنوں میں نہیں کھایا؟ یا کھانے کی خواہش نہیں کی؟ ایں؟'' اس کی چھوٹی چھوٹی آنکھیں غصے میں آئے ہوئے نیولے کی آنکھوں کی طرح سرخ ہو گئی تھیں۔

''ٹھہرو۔'' اقبال نے ایک جلتی ہوئی لکڑی کھینچ کر زمین پر ماری۔ چھوٹی چھوٹی چنگاریاں ادھر ادھر اڑیں۔ مادھو کر سی سی کرتے ہوئے بازو پر گری ہوئی چنگاریوں کو ملنے لگا۔ ''پاگل ہو گئے ہو؟'' وہ چیخا۔

"تم زبان چلائے جاؤ گے تو ہو جاؤں گا۔ تم نے کیا کیا ہے جو اب بک بک کر رہے ہو۔ مجھے آرام کی ضرورت ہے۔ تمہیں پتہ نہیں؟ اور تم۔" لکڑی کا جلتا ہوا سرا نعیم کی ناک کے نیچے ٹھونستے ہوئے وہ چیخا۔ "تم کل لائن پر جا رہے ہو۔ ہم سے پہلے۔ اور اپنی یہ فضول باتیں ختم کرو ہمیشہ کے لئے سنا؟ ہمارے پاس پہلے ہی بہت کام ہے۔"

غصے اور خوف کے مارے نعیم جلدی سے اٹھ کر اپنے کمبلوں کی طرف چلا گیا۔ اقبال نے لکڑی آتشدان میں پھینکی اور آگ کی طرف منہ کر کے لیٹ گیا۔

دروازے کے قریب اپنے کمبلوں پر لیٹ کر نعیم نے ٹانگ پر ہاتھ پھیرا اور پتلون کی جیب میں پستول کو محسوس کیا۔ تاریک چھت کو گھورتے ہوئے سونے سے پہلے اس نے بہت سے گڈمڈ خیالات کے درمیان واضح طور پر محسوس کیا کہ آگ لحظہ بہ لحظہ بجھتی جا رہی ہے اور کھڑکی پر بارش تقریباً رک چکی ہے۔

اس کی آنکھ کھلی تو چاروں طرف گھپ اندھیرا تھا۔ آتشدان کی راکھ میں سے دو زندہ کوئلے جھانک رہے تھے۔ چھت کے قریب روشندان کے سوراخ میں سے تاروں کی مدھم روشنی داخل ہو رہی تھی۔ آتشدان کے گرد سوئے ہوئے تینوں مردوں کے بھاری سانسوں کی آواز خاموش کمرے میں پھیلی ہوئی تھی۔ کمرے میں سردی تھی۔

سارا جسم ایک دفعہ اکڑا کر ڈھیلا چھوڑ دینے کے بعد اس نے جلد پر مصنوعی حرارت کی ایک تہہ رینگتی ہوئی محسوس کی اور آ [illegible] دوسری بار [illegible] اکڑا [illegible] آج جانے کہاں جانا پڑے۔' اس نے سوچا۔ 'اور کام کیا ہوگا! ڈائنامائٹ اٹھانے والا کام تو آسان تھا۔ اگر میں بھاگ جاؤں' ابھی فوراً۔' پھر اس خیال کو ذہن سے نکالنے اور سردی کم کرنے کے لئے وہ تیسری بار اکڑا۔ 'بارش رک گئی ہے۔' اس نے دل میں کہا۔ 'نیند کیوں نہیں آ رہی؟' اندھیرے میں خالی الذہن ہو کر وہ ادھر ادھر دیکھنے لگا۔ پھر کمبل میں سے ہاتھ نکال کر اس نے لکڑی کا تختہ آہستہ سے کھینچا۔ تختہ پتھریلے فرش پر ہلکی سی بھدی آواز نکال کر دروازے سے الگ ہو گیا۔ کچھ دیر تک جنگلی چوہے کی طرح بے حس و حرکت پڑے رہنے کے بعد وہ اٹھا اور بڑا فوجی کوٹ شانوں پر ڈال کر گھٹنوں پر چلتا ہوا رینگ کر تختے کے پیچھے سے نکل گیا۔

کمرے میں گھپ اندھیرا تھا۔ چند سیکنڈ تک وہ تھوتھنی اٹھائے بو سونگھتے ہوئے شکاری کتے کی طرح چاروں ہاتھ پاؤں پر دروازے میں کھڑا رہا۔ "یہاں پر آگ کبھی نہیں جلائی گئی۔" اس نے خنکی محسوس کر کے دل میں کہا اور اسی طرح دیوار کے ساتھ ساتھ چلنے لگا۔ فرش پر لکڑی کی آواز کو بند کرنے کے لئے اس نے کوٹ ہاتھ پر لپیٹ لیا۔ چلتے چلتے اس کا سر سامنے والی دیوار سے جا ٹکرایا۔ اس نے دل میں گالی دی اور مڑ کر دوسری دیوار کے ساتھ چلنا شروع کیا۔ کوٹ آواز نکالے بغیر زمین پر گھسٹ رہا تھا۔

یوں چاروں ہاتھ پاؤں پر چلتے چلتے ایک بار مڑ کر اس نے اپنے آپ پر نظر ڈالی۔ اندھیرے میں کچھ دکھائی نہ دیا لیکن اسے خیال آیا کہ وہ ایک ریچھ یا بڑے سے بھیڑیے کی مانند چل رہا ہے۔ یہ سوچ کر اس نے دل

UrduPhoto.com